نظرات

منڈل کمیشن کی رپورٹ "جو عرصہ دراز سے حکومت کی بند الماریوں میں مٹی کی تہہ کے نیچے دبی پڑی ہوئی تھی" کو وزیر اعظم وی۔پی سنگھ نے باہر نکال کر اسے لاگو کرنے کی بات کہی ہے۔ یہ رپورٹ سنہ ۱۹۸۰ء میں حکومت کے حوالے کردی گئی تھی لیکن اس وقت شریمتی اندرا گاندھی ڈھائی سال اقتدار سے باہر رہنے کے بعد دوبارہ برسر اقتدار ہوئی تھیں۔ اقتدار سے باہر رہنے کی وجہ سے ان کے ساتھ جو ناروا سلوک ہوا تھا اس کی تلخ یادیں ان کے دل و دماغ میں تازہ تھیں۔ اسلئے وہ جلد بازی میں کوئی بھی ایسا قدم اٹھانا مناسب نہیں سمجھتی تھیں جس سے ان کا اقتدار خطرہ میں پڑ جائے! اسلئے انھوں نے ریزرویشن کے مسئلے پر منڈل کمیشن کی سفارشات کو الماری میں بند کرنے ہی میں اپنے اقتدار کے لئے عافیت سمجھی۔ لیکن جنتا دل کے وزیر اعظم وی۔پی سنگھ ایمانداری کے ساتھ اپنے الیکشنی وعدوں کو پورا کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔ وہ سیاست میں سچائی اور ایمانداری کی ایک مثال قائم کرنا چاہتے ہیں جبکہ موجودہ دور میں سیاست اور ایمانداری اجتماعِ ضدین ہیں۔

اسی ایمانداری پر مبنی کام کرنے کی عادت نے انھیں دس سال سے الماری

میں بند پڑی منڈل کمیشن کی سفارشات کو نافذ کرنے پر آمادہ کر دیا جس سے ملک میں ہنگاموں، ہڑتالوں، تخریب کاری کے ذریعہ بند کا طوفان برپا ہو گیا۔ کیونکہ منڈل کمیشن کی سفارشات کے تحت شیڈول ذاتوں کے لئے سرکاری ملازمت کا کوٹہ جو پہلے ہی ۲۲ فیصدی تھا اب بڑھا کر اسے ۴۹ فیصدی کر دیا گیا ہے۔ اس سے برہمن، ٹھاکر، راجپوت، کائستھ، کھتری، عامل اور بنیا وغیرہ اونچی ذاتوں کے لوگوں کو خوف پیدا ہوا کہ اب ان کی جگہ وہ لوگ لے لیں گے جو ہزاروں سالوں سے ان کے ماتحت تھے اور جن کو بھگوان نے ان کی خدمت ہی کے لئے دنیا میں بھیجا ہے اس سلسلے میں ان کو کسی دلیل کے سہارے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ بیسویں صدی میں ایسے قانون یا رواج کو لاکھ نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہو انھیں اس کی بھی کوئی چنتا یا پرواہ نہیں ہے جس طرح دن کے اجالے میں میں ایک مسجد کو رام جنم بھومی کا نام لیکر ہڑپ و غصب کرنیکا منصوبہ بنانے میں شرم وغیرت نام کی کوئی بھی چیز جنکے آڑے نہ آتی ہو اسی طرح انسان انسان کے درمیان میں فرق وتمیز برتنے میں انھیں کس طرح جھجک یا عار ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ بیسویں صدی میں سراسر اس کو غیر انسانی سمجھے جانے والے فعل کے لئے ان کے پاس ان کے اپنے دھارمک گرنتھوں میں جواز و اپدیش موجود ہیں۔ اور ممتاز اہل قلم جناب وحشی سعید کے بقول دھرم کے نام پر ہر چیز جائز ہے۔ اس سلسلے میں سب سے دلچسپ اور حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ منڈل کمیشن کی سفارشات کے تحت شیڈول ذاتوں کو دی جانے والی ریزرویشن کی بات ملک میں موجود ہر جماعت کے لوگوں کو بری لگی ہے چاہے وہ کانگریس ہو جو شیڈول ذاتوں کے لئے اپنے کو مسیحا سے کم کہلوانا پسند نہیں کرتی ہے چاہے کمیونسٹ پارٹیاں ہوں جنہوں نے اپنے کو مذہب اور ذات پات سے بالاتر ہو کر ہر انسان کو [illegible]

دلانے کے لئے اپنے کو وقف کیے رکھنے کی بات پھیلا رکھی ہو۔ چنانچہ پارلیمنٹ میں ریزرویشن کے اعلان کی مخالفت کرنے والے کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کے بھوگیندر جھا تھے جو میتھیل برہمن ہیں ان کی حمایت مارکسوادی کمیونسٹ پارٹی کے سوم ناتھ چٹرجی نے کی جو بنگالی برہمن ہیں۔ کانگریس نے اقتصادی ناپ تول کی آڑ میں اس کی مخالفت کی اس کے ایک ممبر شری وسنت ساٹھے جو مہاراشٹر کے برہمن ہیں ریزرویشن کی مخالفت میں خاموش نہ رہ سکے۔ ان کی حمایت میں کانگریس کے ایک اور ممتاز ممبر راجہ دنیش سنگھ پیش پیش رہے جو یوپی کے زمیندار گھرانے کے ٹھاکر ہیں۔ ان کی ہاں میں ہاں ملانے میں بی جے پی کے معلوم و معروف لیڈر لال کرشن اڈوانی کیسے پیچھے رہتے آخر وہ بھی سندھ (اب پاکستان) میں پیدا ہوئے عامل ذات کے ہیں انھوں نے بڑی چالاکی کے ساتھ منڈل کمیشن کی سفارشات کے ضمن میں مشورہ نہ کرنے کا شکوہ کیا۔ ملک کی سیاسی پارٹیوں کے رہنماؤں کا پارلیمنٹ میں منڈل کمیشن کی سفارشات کے سلسلے میں کردار مخالفت کا ہے لیکن پارلیمنٹ کے باہر وہ ریزرویشن کے لئے صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں کے مصداق ہیں۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ کانگریس ہو یا کمیونسٹ پارٹیاں یا انتہا پسند جماعت بھارتیہ جنتا پارٹی الگ الگ نقطہ نظر کی یہ جماعتیں اس موضوع پر پبلک کے سامنے اپنے خیالات بغیر لاگ لپیٹ کے لے آنے نہیں دینا چاہتی ہیں۔ غیر ہندوؤں کے لئے یہ بڑی غور طلب بات ہے اور اس کے لئے سنجیدگی کے ساتھ بڑی گہرائی کے ساتھ ماضی، حال اور مستقبل پر غور و خوض کرنے کی ضرورت لاحق ہو جاتی ہے۔

دراصل ہندو سماج میں ذات پات کی وبا و برائی اس قدر رچ بس گئی تھی کہ جس سے ہندو قوم کے وجود کے لئے زبردست خطرہ پیدا ہو گیا تھا اور آ۔

ہر دن ہر برس ہندو دھرم و سماج کے لئے خطرہ کا سگنل بنا ہوا تھا۔ سائنس کی ترقی و کامیابی اور انسانوں کے دل و دماغ میں انسانیت کی عزت و وقار کا جذبہ بڑھتا جا رہا تھا۔ بنی نوع انسان کی بقا کے لئے منش جاتی پر کسی بھی ظلم و زیادتی والا سماج ناقابلِ برداشت ہوتا جا رہا تھا۔ ہندوؤں کے دھارمک گرنتھوں میں وہ وہ باتیں درج ہیں یا تھیں جو انسانیت کی فلاح و بہتری کے کام کرنے والے دور میں کسی بھی حالت میں گوارہ نہ تھیں۔ اسی امکانی صورت حال کو بھانپتے ہوئے ہندو سماج میں سے کچھ دانشور اٹھے اور انھوں نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ ہندو دھرم کی آڑ میں چالاک قسم کے چودھریوں (پنڈتوں) نے اپنے مفاد کے لئے بہت سی باتیں بنا کر ہندو سماج کی اکثریت کے طبقہ کو ایک ایسی دہلیز پہ لا کھڑا کر دیا ہے جو ہندو دھرم سے بالکل ہی لاتعلق ہو کر رہ جاتا ہے۔

ان کے خیال میں اسی منفاد پرست نیتی کی وجہ سے یہاں غیر ملکی حکمرانی کرتے رہے۔ دانشور طبقہ کی اندرونی سوچ ہے کہ آٹھویں صدی میں محمد بن قاسم کا ہندوستان پر (آمد نہیں) حملہ اسی کارن کامیاب ہو کر رہا۔ اور اس کے بعد مغلیہ سلطنت کا عروج کے دور میں ہندو سماج غلام بن گیا۔ اس صاف گوئی کے لئے ہم معافی کے خواستگار ہیں۔ ہندوؤں کے اکثر دانشوروں سے تبادلۂ خیال کے بعد ہم نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے۔ دانشور ہندوؤں کی باطنی سوچ کا دائرہ کم سے کم اسی ایک بات پر آ کر مرکوز ہو جاتا ہے۔ انکا خیال ہے کہ ہندوستان انگریز کی آمد سے بہت پہلے سے غلام تھا۔ ذرا حافظہ پر زور ڈالیں تو اس کا اظہار وقتاً فوقتاً ان کی زبان سے باوجود سخت احتیاط کے ادا ہو ہی جاتا ہے۔ ایک موقع پہ سیکولر باپ کی صاحبزادی شریمتی اندرا گاندھی کے منہ سے بھی ایک ہزار سال سے ہندوستان کی غلامی کی بات بے ساختہ زبان سے نکل گئی تھی ۔۔۔ ہندو دانشوروں کی اسی اندرونی سوچ نے

گا ہے بہ گا ہے ہندو دھرم و سماج کی اصلاح کے لئے کبھی سوامی دیانند سرسوتی کبھی سوامی ویویکانند کبھی مہاتما پھلے اور کبھی راما سوامی نائیکر پیدا کیے ۔ اور جب دنیا چاند اور سورج پر کمندیں ڈالنے لگی تو اس دور میں موہن چند کرم چند گاندھی کی صورت میں ایک ایسی شخصیت نمودار ہوئی جس نے ہندو سماج کے مردہ جسم میں نئی روح و تازگی اور نئی زندگی و جان پیدا کرنے کا بیڑہ اٹھایا اور اس نے کمال ہوشیاری سمجھداری کے ساتھ ہندوستان پر نو سو سال تک حکمرانی کرنے والی قوم کے افراد کو اپنے ساتھ ملا کر ہندو سماج و دھرم کے لئے وہ کام کر دیا جو شاید اب تک کسی بھی مہاپرش یا دیوتا تک کو کرنا نصیب نہ ہوا تھا۔ مہاتما گاندھی جو اونچی ذات ویش میں پیدا ہوئے مگر اس کے باوجود انھوں نے اس بات کو سمجھا کہ اس یگ میں ذات پات کی بنیاد پر کوئی سماج یا دھرم ٹک نہ سکے گا اور جب ذات پات کی وجہ سے ایک بڑی اکثریت ہندو دھرم سے نکل جائے گی تو پھر جس سماج دھرم میں انھوں نے جنم لیا ہے اس کا وجود ہی کہاں باقی رہ پائیگا۔ اس کی درگت اس سے پہلے کے سماج بودھ یا جین دھرم کی سی ہو جائے گی اور جب یہ ہوگا تو پھر ہندوستان ماضی کی طرح دوسروں کی اجارہ داری بن جائیگا۔ چنانچہ ذات پات کی لعنت ختم کرنے کے اعلان سے سب سے پہلے تو انھوں نے ہندو سماج کی اس اکثریت کے اندر سکون واطمینان اور ٹھہراؤ کی لہر پیدا کی جو ذات پات کی ذلّت سے چھٹکارہ پانے کے لئے ادھر ادھر بھٹک رہی تھی۔ ریزرویشن کی بات اسی مقصد کے تحت پیدا کی گئی۔

آزادی کے بعد سردار ولبھ بھائی پٹیل جو اونچی پاٹی دار جاتی کے تھے مگر انھوں نے گاندھی جی کے خواب کی تعبیر کے تکملہ کے لئے پسماندہ جاتی کے ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر جو ہندو دھرم میں ذات پات کی لعنت سے چھٹکارہ و نجات پانے کے ارادہ

سے اپنی جاتی کے جم غفیر کے ساتھ بودھ دھرم اپنانے کی سوچ رہے تھے کو آزاد ہندوستان کا قانون بنانے کے لئے حکومت اور قانون ساز ادارے میں لے کر آگئے۔ اس کے ذریعہ آزاد ہندوستان کے قانون میں پسماندہ جاتوں کو راحت افزا رعایتیں دی گئیں جس سے اس بات کا خدشہ تو بالکل ہی جاتا رہا کہ اب وہ ہندو دھرم سے کٹنے کی سوچیں گے بلکہ اس سے ہندو سماج کی ٹانگ اور بازو جنہیں ذات پات کی لعنت نے لقوہ مار رکھا تھا میں نئی جان اور نیا خون پیدا ہو گیا۔ اور جس سے اس بات کی بھی پکی گارنٹی ہو گئی کہ اب ہندو سماج کو کسی بھی طرح کا نہ تو خطرہ ہی باقی بچا ہے اور نہ ہی کوئی مائی کا لعل اس کا کچھ بگاڑ سکے گا۔ آج ہندو سماج و دھرم کی حفاظت کیلئے انھوں نے ریزرویشن کی آڑ میں ایک ایسی فوج کھڑی کر لی ہے جو اس کے لئے ہر بلیدان (قربانی) کے لئے پیش پیش رہے گی ــــ اسی خیال و نظریئے کے تحت آزادی کے بعد ہندوستان میں دانشور پیدا ہوتے رہے چاہے وہ ڈاکٹر رام منوہر لوہیا (بالی سے بنیا) یا جے پرکاش نارائن یا اچاریہ کرپلانی ہوں، ان سب کا مقصد ایک ہی تھا اور وہ ہندو قوم کو مضبوط بنانا اور اس سائنسی دور میں اونچی جگہ لے جاکر بٹھانا ــــ گاندھی جی کے بعد سب سے زیادہ نمایاں کام اگر کسی نے ہندو سماج کے لئے کیا ہے تو اس میں سب سے پہلا نام الہ آباد کے کشمیری پنڈت جواہر لال نہرو کا ہے۔ آزاد ہندوستان میں نظریۂ سیکولرزم کو زور و شور سے پھیلانے کا انھوں نے کارنامہ انجام دیا ہے اس سے بھی ہندو سماج کو اپنے کو بنانے سنوارنے اور نکھارنے میں مدد و تقویت ملی ہے۔ نہرو جی کے بارے میں ہماری ذاتی رائے ہے کہ وہ باوجود ماڈرن تعلیم یافتہ ہونے کے اوّل و آخر ہندو سماج کے مصلح تھے، ہندو سماج کو مضبوط بنانا اور ہندو دھرم کی بقاء و ترقی ان کا مطمح نظر تھا۔ وہ یہ بات اچھی طرح سمجھتے تھے کہ ہندو سماج و ملک کیلئے سیکولرزم ہی ایک بہترین و کارآمد اور مفید راستہ

ہے اور یہی راستہ ہندو سماج میں ہزاروں سال رائج ذات پات کی برائی اور دیگر سنتوں کے سدّ باب کا باعث ہوگا جب تک دنیا کے کامیاب دوسرے مذاہب والے اقوام کے طرز معاشرت کا مطالعہ و تجزیہ اور تجزیہ نہیں کیا جائیگا اس وقت تک ہندو سماج میں ترقی و اصلاح اور کچھ سیکھنے کا جوش و جذبہ اور امنگ پیدا کرنا مشکل ہوگا۔ اور اس کے لئے جواہر لال نہرو نے بڑے بڑے کام کیے۔ ہندوستان کا ایک حصّہ کٹ کر ایک مذہبی قوم کی بنیاد پہ پاکستان کی شکل میں وجود میں آچکا تھا جس سے نہرو کو اپنی قوم کو یہ بات باور کرانے میں ذرا بھی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑا کہ ذات پات کی بنیاد پر ایک اکثریتی حصّہ کو ہندو دھرم سے الگ رکھا گیا تو ہندوستان میں مزید پاکستان بنیں گے ہی ہندو دھرم کا وجود بھی باقی نہ رہے گا۔ چنانچہ پاکستان بننے کے باوجود بھی غیر ہندوؤں کی بڑی تعداد کو ہندوستان میں اپنے مذہبی تشخص یا پہچان کے ساتھ موجودگی کی اجازت بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اس سے دیگر فوائد حاصل کرنے کی اندرونی منشا شاید یہ بھی تھی کہ ہندو سماج میں غیر ہندوؤں کی وہ خوبیاں و اچھائیاں اور تبلیغی اسپرٹ پیدا ہو جائے جس سے غیر ہندو دنیا میں بڑھے اور پھیلے۔ نہرو کی یہ بڑی سمجھداری کا نمونہ ہے کہ انھوں نے اپنی لچک دار اور آزاد خیال باتوں سے غیر ہندوؤں میں یہ احساس ذرا بھی نہ پیدا ہونے دیا کہ وہ ہندوستان میں ان کی موجودگی سے اپنے ہندو سماج کو سدھارنے اور بنانے کا ایک بڑا کام لے رہے ہیں، چنانچہ وہ نہرو کی سیکولرزم کی بات کو ان کی وضعداری رواداری و شرافت سمجھتے ہوئے پارلیمنٹ اور اس سے باہر بھی ہوش کو بالائے طاق رکھ کر صرف جوش ہی سے اپنی قوم کی خدمت کرنا ہی بڑے کمال کی بات سمجھتے ہے۔

ریزرویشن کی بات کو ہمیں اسی زاویۂ نگاہ سے دیکھنا ہوگا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ریزرویشن کے سہارے بڑے لوگوں کا پسماندہ جاتی کو بہلانے کا ذریعہ و کھلونا ہے

پسماندہ جاتی کے لئے ۲۲ فیصدی کوٹہ مخصوص کرکے پسماندہ جاتی کے ایک بڑے رہنما بابو جگ جیون رام کی ہر طرح ناز برداری برداشت کرکے ان کو اپنا ہمنوا بنا کر ان کے ذریعہ پسماندہ عوام کو بہلایا جاتا رہا اور ساتھ ہی ان کو اپنے مقصد کے حصول کی برآوری کے لئے استعمال بھی کیا جاتا رہا۔ لیکن ان کی فلاح وترقی سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ اب وزیر اعظم وی۔ پی سنگھ نے ۴۳ سال بعد ان سب باتوں ومفادات سے قطع نظر ایمانداری کے ساتھ پسماندہ جاتی کے لوگوں کی واقعی فلاح وترقی کا بیڑہ اٹھاتے ہوئے سرکاری ملازمتوں میں ۲۲ فیصدی سے بڑھا کر ۴۹ فیصدی کوٹہ مختص کر دیا ہے۔ وہ ملک کے مفاد کو مقدم سمجھتے ہوئے ایمانداری کے ساتھ سیاست میں رہنا چاہتے ہیں لیکن سیاست میں ایمانداری کی گنجائش مشکل ہی سے نکل پاتی ہے اسی لئے تو ملک کا تمام پریس اور اونچا طبقہ ان کے خلاف ہاتھ دھو کر پیچھے پڑا ہوا ہے۔ اور وہ منڈل کمیشن کی رپورٹ لاگو کرنے کی ان کی بات کو دیوی لال سے بچنے کی آڑ، یا جنتا دل کے اندرونی خلفشار کو دور کرنے یا اپنی وزارت عظمیٰ کی کرسی بچانے جیسے گھناؤنے الزامات لگا کر ان کے ملک وقوم کی بقاء وترقی کے عظیم مقصد کے حصول کو فوت کرنے پر تلا بیٹھا ہوا ہے۔ کسی وقت ہندوستان کی اپوزیشن پارٹی کے ایک لیڈر نے کہا تھا۔ کہ کانگریس (آئی) میں اگر کوئی مرد ہے تو صرف ایک ہی اور وہ ہیں شریمتی اندرا گاندھی۔ ہم یہاں یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ کسی بھی مفاد سے بالاتر ہو کر موجودہ ہندوستان کی سیاست میں صرف ایمانداری کے ساتھ کام کرنے والا اگر کوئی مرد ہے تو وہ ہے بلا مبالغہ وشوناتھ پرتاپ سنگھ وزیر اعظم ہندوستان!۔